پروفیسر شریف حسین قاسمی

# مخطوطہ شناسی میں خط کی اہمیت

ایران میں اسلام آنے کے بعد ایرانیوں کی زبان اور ان کے خط میں جو زبردست بنیادی تبدیلی رونما ہوئی وہ تاریخ کا غالباً ایک ممتاز اور فراموش نہ ہونے والا واقعہ ہے۔

پیغمبر اسلامؐ کی ہجرت سے اکیس سال بعد عربوں اور ایرانیوں کے درمیان نہاوند کے مقام پر وہ مشہور اور تاریخی جنگ ہوئی جس کے نتائج نے لسانی اعتبار سے ایران کی تاریخ کو ایک نیا رخ دیا۔ عرب ایرانیوں پر فتح یاب ہوئے۔ اور انہوں نے اپنی اس فتح کو فتح الفتوح کے نام سے یاد کیا ہے۔ اس جنگ میں ساسانی بادشاہ یزدگرد کو شکست ہوئی اور اس کے بعد دو سو برس تک عرب ایران پر حکومت کرتے رہے۔ مسلمانوں کی اس فتح کے بعد بہت بڑی تعداد میں ایرانیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے علاوہ عربی زبان اور اس کے رسم الخط نے ایرانی زبان پہلوی اور اس کے خط پر جو اثر ڈالا اس کی ایک تاریخی نوعیت ہے جو تبدیلی ایرانی زبان اور خط میں واقع ہوئی اس کی نظیر شاید ہی کہیں ملے۔

اس وقت ایرانیوں کی زبان پہلوی تھی۔ اس کا رسم الخط نہایت مشکل تھا۔ چونکہ خط مشکل تھا اور اسی طرح الفاظ و جملوں کو لکھنے کے لیے طویل جگہ درکار ہوتی تھی اس لیے پہلوی میں ھزوارش کا رواج ہوا۔ ھزوارش کو عرف عام میں شورٹ ھینڈ (مختصر نویسی) کہا جا سکتا ہے۔ بہرحال ھزوارش کے معنی یہ ہیں کہ پہلوی خط میں سامی زبان کے بہت

سے الفاظ لکھے جاتے تھے' لیکن ان کو پہلوی زبان میں پڑھتے تھے۔ مثلاً سامی لفظ ملکان ملکا لکھتے تھے اور پڑھتے تھے شاہنشاہ۔ اسی بات کو ہم یوں سمجھ سکتے ہیں کہ ہم عربی کے لفظ عشر کو عہ کی شکل میں لکھتے ہیں جو عشر کا مخفف ہے لیکن ہم اسے پڑھتے عشر ہیں۔ پہلوی میں یہ طرز مختصر نویسی کی غرض سے اپنایا گیا تھا' لیکن ھزوارش کے چلن نے پہلوی زبان میں آسانی کے بجائے مشکل پیدا کردی۔

جب عرب فاتحین اور ایرانی مفتوحین کے درمیان کچھ عرصے کے بعد ایک دوسرے کے خلاف نفرت اور غصے کا ماحول ڈھنڈا ہوا تو عرب ایرانی تہذیب و تمدن اور ایرانی عربی زبان اور اس کے خط کی طرف زیادہ متوجہ ہوئے۔ عربوں کو ایرانی تہذیب نے لبھایا اور ایرانی عربی زبان و خط کے فریفتہ ہوئے چونکہ ان دونوں قوموں کے لیے یہ دونوں خاصے کی چیزیں تھیں۔ عرب اپنی تمام تر نظامی برتری کے باوجود ایرانی تہذیب و تمدن سے مقابلہ نہیں کرسکے بلکہ انہوں نے اسے اپنالیا۔ اسی طرح ایرانی عربی زبان و خط سے آشنائی حاصل کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ عربی خط ہر لحاظ سے ان کے پہلوی خط سے بہتر ہے اور وہ اسے آسانی سے اپنے پہلوی خط کے بجائے اپنا سکتے ہیں۔ ایرانیوں نے یہی کیا۔ جیسے ہی پہلوی زبان کے لیے عربی رسم خط اپنایا گیا' پہلوی کی کایا ہی پلٹ گئی۔

یہ حقیقت ہم سب پر عیاں ہے کہ جیسے ہی ایک زبان کا رسم خط ترک کردیا جاتا ہے اور کسی دوسری زبان کا رسم خط اس کے لیے اپنا لیا جاتا ہے تو ایسی صورت میں پہلی زبان اپنی بیشتر خصوصیات سے محروم ہوجاتی ہے۔ جس زبان کا رسم الخط اپنا لیا جاتا ہے' اسے ہر معاملے میں فوقیت حاصل رہتی ہے۔ جانے انجانے دوسری زبان کے الفاظ پہلی زبان میں داخل ہوجاتے ہیں اور پہلی زبان کے ایسے الفاظ جن کا نئے رسم الخط میں لکھنا مشکل یا ناممکن ہوتا ہے وہ متروک ہو جاتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ایک نئی زبان جنم لیتی ہے پہلوی اور عربی کے اسی تعلق نے اس

فارسی کو جنم دیا جو ہم آج پڑھتے یا پڑھاتے ہیں۔

جس وقت عرب ایران پہنچے اس وقت عربی کوفی اور نسخ دونوں خطوں میں لکھی جاتی تھی۔ قرآن الحکیم بیشتر کوفی میں اور لکھنے پڑھنے کے دوسرے کاموں کے لیے نسخ کو ترجیح دی جاتی تھی۔ اس وجہ سے ظاہر ہے کہ ایرانیوں نے فارسی (پہلوی) کے لیے کوفی اور نسخ اختیار کر لیا۔

اسلامی ایران کے دور اوایل میں وہ ایرانی جو مشرف بہ اسلام ہوئے۔ انہیں قرآن اور اس کے فارسی ترجمے اور چند دیگر دینی کتابوں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ایران میں کتابت شدہ یہ قرآن اور ان کے تراجم ابن الندیم (متوفی: ۳۷۸ھ) کے مطابق پیرا موز خط میں تھے۔ پیرا موز خط سے احتمالاً وہ خط کوفی مراد ہے جو جو نسخ سے مشابہ ہو۔ یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ کوفی رسم خط بتدریج متروک ہوا ہے اور اس کی جگہ نسخ نے لی ہے۔ وہ خط کوفی جو نسخ سے مشابہ ہو اس عبوری دور کی نشاندہی کرتا ہے جب اس پر توجہ کم ہوتی جا رہی تھی اس کا رواج آہستہ آہستہ ختم ہو رہا تھا اور نسخ کا چلن بڑھ رہا تھا اور اس پر نسبتاً زیادہ توجہ مبذول کی جا رہی تھی۔

فی الحال کوفی یا نسخ سے مشابہ کوفی رسم خط میں فارسی کی ایسی کوئی تصنیف دستیاب نہیں جس کا تعلق دور اوایل سے ہو۔ فارسی کا سب سے قدیم دستیاب قلمی نسخہ ۴۴۷ھ ہجری کا ہے۔ پانچویں صدی ہجری کا یہ قلمی نسخہ الابنیہ عن حقایق الادویہ ہے جس کا مصنف ابو منصور موفق بن علی ھروی اور کاتب، فارسی کا معروف شاعر اسدی طوسی ہے یہ مخطوطہ نسخ سے مشابہ کوفی میں کتابت ہوا ہے۔ چونکہ پانچویں صدی ہجری کے وسط تک کتابت شدہ دوسرے خطی نسخے دستیاب نہیں۔ اس لیے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اس صدی کے وسط تک فارسی اسی مخصوص کوفی خط میں لکھی جاتی تھی۔ آہستہ آہستہ یہ مخصوص کوفی خط متروک ہو گیا اور اس کی جگہ نسخ آج بھی دنیا کے مختلف کتابخانوں میں محفوظ ہیں۔

اس اہم حقیقت کی طرف بھی اشارہ کرنا ضروری ہے کہ ساتویں صدی کے اوایل تک

مکتوبہ جو فارسی مخطوطات آج دستیاب ہیں اور جن کا خط بالعموم نسخ ہے، بہت بڑی حد تک کتابت کی غلطیوں سے پاک ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس تمام دور میں جو پانچ صدیوں تک پھیلا ہوا ہے نسخہ نویسی یا کتابت کا کام زیادہ تر طالب علموں، دانش وروں منشیوں اور ایسے کاتبوں نے انجام دیا ہے جو صاحب علم و فضل تھے۔ یا پھر اپنے دور کے دانشمند بعض سیاسی اور صاحب اقتدار لوگوں نے تصانیف کی بھی کتابت کی۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں کتابت ہونے والے بیشتر مخطوطات صحت متن کے لحاظ سے محققین کی نگاہ معتبر سمجھے جاتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ مخطوطات ظاہری تزئین اور آرائش کے معاملے میں بعد کے ادوار میں مکتوبہ نسخوں کے مقابلے میں غیر اہم ہیں اور معمولی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس دور کے مخطوطات میں صحت متن کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اکثر خود مصنفین نے اپنی تصانیف کی کتابت کی۔ دوسرے کاتب باسواد ہوتا تھا۔ تیسرے یہ کہ اس دور کے کاتبوں کا یہ عام رویہ تھا کہ وہ ایک کتاب کی کتابت مکمل کرنے کے بعد اپنے مخطوطے کا اصل سے مقابلہ کرتے تھے اور اس طرح جانے انجانے راہ پاجانے والی غلطیوں کی اصلاح کر لیتے تھے۔ اسے اصطلاحی طور پر عرض و مقابلہ کہتے ہیں۔

اس کے علاوہ ایک یہ طریقہ بھی رائج تھا کہ کاتب اپنا کام مکمل کرنے کے بعد اپنے مکتوبہ نسخے کو یا تو مصنف کے سامنے اور یا پھر کسی عالم و فاضل شخص کے سامنے پڑھتا تھا اور اس کی قدر سے ضروری تصحیح کر لیتا تھا۔ اسے اصطلاحاً سماع کہتے ہیں۔

بہر حال نسخہ نویسی کا یہ پہلا دور ساتویں صدی ہجری کے اوایل تک جاری رہا۔ درج بالا اطلاعات کی بنیاد پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ فارسی کے وہ مخطوطات جو نسخ سے مشابہ کوفی یا پھر خود نسخ میں لکھے گئے ہیں، ان کا تعلق اسی دور سے ہے۔

نسخہ نویسی کا دوسرا دور ساتویں صدی کے اوایل سے شروع ہوتا ہے اور دسویں صدی کے اوایل تک جاری رہتا تھا۔ یہ دور بعض اعتبار سے پہلے دور سے بہت زیادہ مختلف نہیں۔ اس دور میں بھی فارسی کی کتابیں اکثر خط نسخ ہی میں لکھی گئی ہیں، ایک دوسرا خط جو

نسخ سے مشابہ تھا، اس دور میں رائج ہوا۔ اسے قدیم نستعلیق کہتے ہیں۔ یہ موجودہ نستعلیق کی ابتدائی شکل تھی۔ ایسا خط تھا جس کے اصول وضوابط ابھی باقاعدہ مرتب نہیں ہوئے تھے اس دور کے نسخوں کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ یہ بھی بیشتر صحت متن کے لیے معروف ہیں۔ کتابت کی غلطی ان میں ندرت سے نظر آتی ہے۔ اس دور میں بھی مقابلے اور سماع کا رواج باقاعدگی کے ساتھ برقرار رہا اور بیشتر نسخے ان بنیادی نسخوں کی نقل ہیں جو اس سے پہلے دور میں یا تو خود مصنف کے کتابت شدہ تھے یا پھر انہیں پڑھے لکھے کاتبوں نے کتابت کی تھی اور ان کے مکتوبہ نسخوں میں کتابت کی غلطی راہ نہ پا جائے اس لیے انہوں نے اپنے مخطوطات کو مقابلے اور سماع کے مراحل سے گذارا تھا۔

ایران پر منگول حملے سے پہلے جو مخطوطات وجود میں آئے وہ اسی دوسرے دور کے کاتبوں کی کوششوں کا پھل ہیں اور صحت متن کے لحاظ سے قابل قدر۔

معاصر محققین اور مرتبین اس دور کے مکتوبہ نسخوں کو کسی آرائش و پیرائش سے عاری ہیں۔ ان مخطوطات پر ترجیح دیتے ہیں جو آنے والے تیسرے دور میں کتابت ہوئے اور اپنی ظاہری سجاوٹ اور دیدہ زیبی کے لیے مشہور ہیں۔

مخطوط نگاری کا تیسرا دور نویں صدی کے وسط سے شروع ہوتا ہے اور ۱۱۹۳ ہجری یعنی بارھویں صدی ہجری کے آخر تک جاری رہتا ہے۔ ماہر مخطوط شناس اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ثقافتی اور اقتصادی میدان میں اور حتی مخطوط نگاری کے فن کا اسلامی دنیا میں اس دور میں انحطاط ہوا ہے۔ اس دور کے ایک صاحب نظر عالم کے بقول اس دور کے کاتبوں میں عرض مقابلہ اور سماع وغیرہ کی مستحسن روایات مفقود تھیں۔ اس دور کے کاتب ایسے تھے گویا وہ اصل کتاب میں ہر قسم کے تصرف اور ردو بدل کو اپنے لیے روا اور سمجھتے تھے۔

ہم اس عقیدے کو عمومی حیثیت نہیں دے سکتے اس لیے کہ ابن خلدون کے ایک بیان سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ ابن خلدون نے اس ضمن میں لکھا ہے کہ:

ہم تک پہنچنے والی اطلاعات کے مطابق مشرق میں اب بھی فن روایت اسی طرح برقرار ہے۔ اگر کوئی تصحیح متن کی ذمہ داری لیتا ہے تو اسے مشکلات سے دوچار نہیں ہونا پڑتا۔ تصحیح متن بہم کرنے والوں کے لیے راستہ کھلا ہے اور کام اُن کا آسان۔ وجہ یہ ہے..... کہ مشرق میں دانش و ہنر کی گرم بازاری ہے۔ لیکن خوشنویسی اور اچھا خط جو ایران میں کتابت کے لیے ابھی باقی ہے، وہ ایرانیوں کی اپنی خصوصیت ہے اور اسے انہی کا خط کہا جاتا ہے، اس کے برخلاف مصر میں مغربی ممالک کی طرح کتابت الخطاط پذیر ہے، بلکہ خود مغرب سے زیادہ یہاں اس کا حال تباہ ہے (مقدمہ ابن خلدون) نویں صدی ہجری کے اوایل کے بعد بھی ایران میں تیموری اور صفوی بادشاہوں، ایشیائے کوچک میں عثمانی اور ہندوستان میں مغل بادشاہوں کے دور سلطنت میں شاعروں، ہنرمندوں اور خوشنویسوں کا بول بالا تھا۔ تصنیف و تالیف کا کام نہ صرف برابر جاری بلکہ روز بروز ترقی تھا۔ کتابوں کی کثرت سے نقلیں تیار کی جارہی تھیں۔ مخطوطات کو پرتکلف انداز سے سجایا اور سنوارا جارہا تھا۔ اس دور سے متعلق ہزاروں خطی نسخے اس حقیقت کا بین ثبوت ہیں کہ کتابت، مصوری، جلد بندی وغیرہ کے کام نہایت دلچسپی کے ساتھ انجام دئے جارہے تھے۔ اس کے باوجود یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ عرض و مقابلے اور سماع کی صحت مند روایات اب کاتبوں میں تقریباً منقود ہو چکی تھیں۔ یہ درست ہے کہ اہل علم و فضل اپنے اپنے مطلوبہ نسخوں کے متون کو وہ چاہے ان کی اپنی تصانیف کے ہوں یا دیگر مصنفین کے، مقابلے اور سماع کے بعد اشتباہات سے محفوظ کر لیتے تھے لیکن کاتبوں کی توجہ مخطوطے کی ظاہری شکل و صورت کی طرف زیادہ تھی۔ وہ پہلا صفحہ سجانے، کتاب کے حاشیے اور جدا دل اور خالی جگہوں پر بیل بوٹے بنانے پر زیادہ توجہ اور دلچسپی سے کام کر رہے تھے۔ اس دور کے مخطوطات کی بعض خصوصیات درج ذیل ہیں۔

اس دور میں خوشنویسی اور خطاطی اپنے عروج کو پہنچی۔ اوراق پر سطروں کی تعداد پر توجہ دی گئی جدول سازی کے فن نے ترقی کی۔ مصوری اور کتابت کا چولی دامن کا ساتھ ہوا۔ جس کے نتیجے

میں نسخہ نویسی یا مخطوطہ نگاری نے ایک فن لطیف کی حیثیت اختیار کر لی۔ اس دور کے بیشتر خطی نسخے نستعلیق، شکستہ اور ندرت سے تعلق اور غبار خطوں میں کتابت ہوئے ہیں۔

خط کی تاریخ پر نگاہ رکھنے والے اس حقیقت سے واقف ہیں کہ یہ خطوط (نستعلیق، شکستہ، غبار، تعلیق) تیموری دور اور اس کے بعد صفوی دور میں نہایت خوبصورت انداز میں لکھے جاتے تھے کی خوبصورتی پر زیادہ توجہ دی جانے کی وجہ سے خوشنویسوں اور خطاطوں کا کام بڑھ گیا۔ چونکہ اس دور میں مخطوطات کی کتابت اور اس کی تیاری ایک صنعت و حرفت (اپنائی) اس لیے کاتب یہ کوشش کرتا کہ وہ جلد سے جلد مخطوطہ مکمل کرے اور اس طرح زیادہ سے زیادہ مخطوطات تیار کرکے زیادہ اجرت کرے اور اپنی معیشت بہتر بنائے۔ اسی وجہ سے اس دور میں تند نویسی کا چلن ہوا اور تند نویسی کو کاتب کا ایک ہنر قرار دیا گیا۔ محرمی نیشاپوری کے بارے میں یہ اطلاع دی گئی ہے کہ:

"ایک دن اور رات میں اس نے تین ہزار شعر لکھے اور انہیں خود کتابت کیا۔ حالانکہ وہ ایک ایسی مجلس میں بیٹھا ہے جہاں ڈھول تاشے بج رہے تھے۔"

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اس دور کے بعض کاتب حالانکہ خوشنویسی کے ہنر سے واقف تھے لیکن بالعموم صاحب علم نہیں تھے۔ اسی طرح بعض خام کار بھی تھے جو اپنے فن سے پوری طرح واقف نہ تھے اور کتابت کی گرم بازاری نے انہیں یہ پیشہ اختیار کرنے پر آمادہ کر دیا تھا۔ اس دور کے مخطوطات میں الفاظ کو ایسے طریقے پر لکھ دینا کہ وہ صحیح طور پڑھے نہ جائیں اور بعض الفاظ و کلمات میں تحریف و تصحیف کاتب کی کم علمی کی دلیل ہے۔

★